اردو مثنوی کا ارتقا

عبدالقادر سروری

ایجوکیشنل بک ہاؤس ○ علی گڑھ

Scanned with CamScanner

۲

اردو مثنوی کے اولین نمونے

دنیا کی اکثر زبانوں میں شاعری کا ابتدائی محرک اظہار، واقعات و مہمات رہا ہے۔ اور یہ واقعات اور مہمات زیادہ تر قومی روایتوں پر مبنی ہوتے ہیں۔ قومی سورماؤں کے کارنامے اکثر زبانوں میں شاعروں کے اوّلین موضوع رہے ہیں۔ ان کے پیش کرنے کا انداز سادھا سیدھا اور راست ہوتا ہے۔ اس مرحلہ پر شعر ہمیشہ ابیات کی شکل اختیار کرتے ہیں اور یہی چیز فطری بھی ہے کیوں کہ زبان اپنے ابتدائی نشو و نما میں قافیوں کی زیادہ پیچیدہ ترتیب، شرح و بسط اور بلند آہنگیوں کی کم متحمل ہو سکتی ہے۔ فارسی میں مثنوی کی ابتدا اور اس کا ارتقاء اسی فطری اقتضا کے بموجب ہوا۔ چنانچہ فارسی کے اوّلین کارنامے، ایرانی قوم کی روایتوں اور سورماؤں کی داستانوں پر مشتمل ہیں۔ اسی جذبہ نے نشو و نما پا کر "شاہ نامہ" جیسی ضخیم اور بسیط مثنوی کی

شکل اختیار کی۔

لیکن جس زمانے میں اردو شاعری کا آغاز ہوا، اس زبان کے بولنے والوں کے پیشِ نظر ایسا کوئی تصور نہ تھا بلکہ ان کے سامنے اور مسائل تھے۔

ابتدائی اردو بولنے والوں کو ایک نئی تہذیب اور نئی قوم کے ساتھ تعلقات بڑھانے تھے۔ ان کو سمجھنا اور اپنے آپ کو سمجھانا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ اپنے اور دوسروں کے لئے مذہبی عقائد کو واضح طور پر قلم بند کرنا تھا۔ اسی لئے ابتدائی اردو کارنامے زیادہ تر مذہبی نوعیت رکھتے ہیں اور ابتدائی اہلِ قلم عموماً مذہبی علماء اور صوفی ہوئے ہیں۔ فارسی بولنے والے جو ہندوستان میں بس گئے تھے، ہندوستانی زبانیں بولنے والوں کے ساتھ رہنے بسنے پر مجبور تھے۔ وہ فارسی سے نابلد ہوتے جا رہے تھے۔ اس طرح اس نئی ہندوستانی زبان میں مذہبی عقائد کے منتقل کرنے کی سخت ضرورت محسوس ہو رہی تھی، اس لئے فطرتاً مذہبی مسائل اردو کے اوّلین ارباب قلم کے موضوع بن گئے۔

اردو کے ابتدائی ریختوں کے بعد سب سے پہلے جو نظمیں ہمارے سامنے آتی ہیں وہ مختصر مثنویاں ہیں جو کم و بیش نویں صدی ہجری سے لے کر گیارہویں صدی کے اوائل تک لکھی گئی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ نظم یارے اپنی بنیادی بولیوں سے زیادہ مشابہ ہیں۔ تاہم ان میں فارسی اور عربی کے الفاظ اور

Scanned with CamScanner

ترکیبوں کی آمیزش سے ان میں ایک نئی زبان کے آغاز کے آثار موجود ہیں۔ یہ آمیزش رفتہ رفتہ زیادہ ہوتی اور صحت بخش حد تک ترقی کرتی گئی۔ اسی طرح اوزان میں بھی پہلے پہل پنگل اور ڈنگل کی تقلید کی جاتی رہی۔ لیکن بعد میں فارسی بحروں نے ان کی جگہ لے لی۔ ابتدائی دور کی چھوٹی چھوٹی نظمیں علمائے دین اور صوفیائے کرام کے ارشادات اور ملفوظات پر مشتمل ہیں، اور مثنوی کی شکل میں ہیں۔

مثنوی کا استعمال اردو میں عام طور پر داستانوں کے ساتھ مخصوص سا ہو گیا ہے۔ اسی لئے مثنوی کے نام کے ساتھ ہی "قطب مشتری"، "پھول بن" یا "سحر البیان" کی طرز کے ادبی کارنامے کا تصور ذہن میں آجاتا ہے لیکن قدیم اردو میں اس کا استعمال زیادہ لچک دار تھا۔ چنانچہ پہیلیوں، نصائح، ملفوظات اور متصوفانہ خیالات کے لئے مثنوی کی صنف ہی کا استعمال ہوتا رہا ہے۔ اس طرح کی چھوٹی چھوٹی مثنویاں اردو کے تشکیلی دور میں بہت لکھی گئیں۔ غزل جس کو محمد قلی (۹۸۸۔۱۰۲۰ھ) کے زمانے سے اردو شاعری میں مقبولیت حاصل ہونے لگی اور جس کو ولی اورنگ آبادی کے اثر نے نہایت اہم صنف بنا دیا، اس زمانہ میں بہت کم لکھی جاتی تھی۔

ان اولین پاروں میں ادبیت کا اتنا لحاظ نہیں ہے، جتنا کہ مقصد اور اظہار مافی الضمیر کا۔

قدیم ترین زمانہ کی اردو مثنوی کے جو نمونے دستیاب ہوئے ہیں وہ حضرت بابا شیخ فرید شکر گنج (متوفی ۶۶۴ھ) سے منسوب ہیں۔ پروفیسر حافظ محمود شیرانی اور مولوی عبدالحق صاحب کو قدیم بیاضوں میں آپ کے کلام کے نمونے دستیاب ہوئے ہیں اور "پنجاب میں اردو" اور "اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام" میں یہ نقل کئے گئے ہیں۔ پروفیسر شیرانی نے ایک ریختہ غزل نقل کی ہے اور مولوی عبدالحق صاحب کے اقتباس میں نظمیں بھی ہیں۔ نظموں میں ایک "بند" کی شکل ہے اور دوسری مختصر مثنوی جو ذیل میں درج کی جاتی ہے:

تن دھونے سے دل جو ہوتا پوک — پیش رو اصفیا کے ہوتے غوک
ریش بلت سے گر بڑے ہوتے — بوکڑوں سے نہ کوئی بڑے ہوتے
خاک لائے سے گر خدا پائیں — گائیں بیلاں بھی واصلاں ہوجائیں
گوشہ گیری میں گر خدا ملتا — گوشہ چوہیاں (دہکذا) کوئی نہ واصل تھا
عشق کا رموز نیارا ہے — جز مدد پیر کے نہ چارا ہے

اس نظم کے زمانے اور اس کی زبان کی صفائی کا خیال کرتے ہوئے شبہ ہوتا ہے کہ شاید یہ بعد کی لکھی ہوئی ہو اور تبرکاً کاتب نے حضرت شیخ فرید سے منسوب کر دی ہو۔ اس میں ایک اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ اکثر قدیم ترین اردو نظموں کے برخلاف اس کی بحر فارسی ہے۔ فارسی بحریں اردو کے لئے

Scanned with CamScanner

عام طور پر دکن میں اردو شاعری کے کسی قدر ترقی پانے کے بعد سے استعمال ہونے لگیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ریختہ گو یعنی فارسی مصرعوں کے ساتھ ہندی مصرع جوڑنے والے شاعروں مثلاً امیر خسرو وغیرہ نے فارسی بحریں بھی استعمال کی ہیں اور کہیں کہیں کوئی اردو غزل بھی فارسی بحر میں لکھ دی گئی ہے۔ لیکن مثنوی، قطعہ اور بندوں کی شکل میں نظم عموماً ہندی بحروں میں لکھی جاتی تھی۔

حضرت امیر خسرو (۶۳۴ - ۷۲۰ھ) سے جو پہیلیاں، ان ملیاں اور کہہ مکرنیاں وغیرہ منسوب ہیں وہ بھی مثنوی کے قافیہ کی ترتیب رکھتی ہیں۔ حالاں کہ ایسی مختصر اور چار مصرعوں کی نظم اگر فارسی میں لکھی جاتی تو اس کے لئے رباعی یا قطعہ کے قافیہ کی ترتیب اختیار کی جاتی۔

ذیل کی نظم جو کسی قدر طویل ہے اور مثنوی کی شکل میں ہے "پنجاب میں اردو" سے نقل کی جاتی ہے۔

وہ گئے بالم وہ گئے ندیو کنارہ — آپے پار اتر گئے ہم تو رہے اردار
بھائی رے ملاحو ہم کو پار اتار — ہاتھ کا دیوں گی مندرا، گل گا دیوں گی ہار
دیکھ میں اپنے حال کو روؤں زار و زار — بی کن و تنا بہت ہیں ہم ہیں او گنہار
بابل بھیجی ہیں دیج گوں تاندا کو بھول — ہو چھا و نجہ دہا جیا نا لا ہا مول
چکرا چکوری دو جنے انکوں رو نہ کو — اوہ مارے کرتار کے رین بچھوڑی ہو

Scanned with CamScanner

سیج وہیتی دیکھ کے روؤں دن رین　　　پیا کرتی میں بھروں پل بھر سکھ نہ چین
سب ناریں سو سکھ سیویں کنتا کوں گل لار　　　میں دکھیاری جنم کی دوکھی گیٔ بہار
تازی چھوٹا دیس میں قصبے پڑی پکار　　　دروازے دیتے رہ گئے نکس گئے اسوار
گورے سوئے پلنگ پہ مکھ پر ڈارے کیس　　　چل خسرو گھر آپنے سانجھ پڑی چودیس

باباکبیر داس یا شاہ کبیر اس زمانے کے سب سے مشہور بزرگ ہیں، جن کے متصوفانہ معتقدات نے انھیں ہندوؤں اور مسلمانوں سب میں مقبول اور ہر دل عزیز بنا دیا تھا۔ ان کے دوہے عوام کے زبان زد ہیں۔ لیکن ان پر فارسی شاعری کا بھی اچھا خاصا اثر تھا۔ چنانچہ پروفیسر شیرانی نے ان کی غزلیں بھی "پنجاب میں اردو" میں نقل کی ہیں، گو یہ مشتبہ ہیں۔ باباکبیر داس کی ایک نظم ذیل میں منقول ہے جو مثنوی کے قافیہ میں لکھی گئی ہے۔

گئی بیس اب آیو بڑھاپا　　　بنا پیو کہو پوتر نا پایا
سبھی بیسؔ میں کھیل گنوائی　　　پیہ کے نیہاں نیک نہیں پائی
ساٹھ برس میں جات نہ جانی　　　گور کی بچن نیک نہیں مانی
چھن چھن دیہہ کبھی اَت جھینیاں　　　پیہ کو سمرن کچھو نہ کیناں
سب جوبن اکارت کھویو　　　برہی نام کبیرا رویو
چیلا سید مراد سیانا　　　جن گورو بچن ساتھ گورمانا
موسوں کبھی موہ یہ آسا　　　کہہ دیو موکوں بارہ ماسا

مانس مانس مُیں جی دکھ پائے تے جگ کوں ان آئے سنائے

برہمی سمت ہے بھیو گیارہ سے اور تیس

بارہ ماسہ میں کہوں پنڈت دیو ایس

نویں صدی ہجری کے اواخر اور دسویں صدی کے اوائل کے زمانے کے شاعر قطبن نے ایک منظوم قصہ لکھا تھا جو "مرگاوتی" کے نام سے موسوم ہے ۔ یہ ملک محمد جائسی کی طرز کا قصہ ہے اور ہندوستانی ادبیات کے ابتدائی کارناموں میں اس طرح کی نظموں کے کمیاب ہونے کی وجہ سے خاص اہمیت رکھتا ہے ۔ پروفیسر شیرانی نے اپنی کتاب میں جو نمونے اس نظم کے نقل کئے ہیں ان سے ذیل کا اقتباس ماخوذ ہے :

شاہ حسین آہے بڑا راجا چھتر سنگاسن ان کو چھاجا

پنڈت اد بدھ ونت سیانا پڑھے پران ارتھ سب جانا

دھرم دود سٹل ان کو چھاجا ہم سر چھاہ جیو جگ راجا

دان دئے او، گنت نہ آوے بلی او کرن نہ سر برپاوے

راے جہاں لوں گندے رہ ہیں سیوا کرہیں یا سب چھ ہیں

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی (۸۶۰ھ تا ۹۴۵ھ) کے ملفوظات میں بھی مختصر پارے مثنوی کی شکل کے ملتے ہیں ۔ آپ کی زبان اور تحریر ہندی ہیں ۔ لیکن فارسی اور عربی کے الفاظ بھی زبان میں موجود ہیں ۔ ان

نظموں کے موضوع زیادہ تر متصوفانہ خیالات ہیں۔ آپ الکھ داس تخلص کرتے تھے۔ پروفیسر حافظ محمود شیرانی نے "پنجاب میں اردو" میں آپ کے حالات اور کلام کے نمونے دیئے ہیں۔ کلام کا کچھ حصہ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

جان اجان سب کھیلنہ لوئی — بن پی کھیلے نہ کھیلا ہوئی
جان اجان جگ کھیلے (کھیلیں) رہے — ہو ہو ہو ہو، ہولی رے
سبھ کھیلنہ سکھی مہ جان — سرب ترنتر پی پر وان
جان اجان جگ کھیلے بھاک (بھاگ) — کنت بلیاں لیوں ہردے لاک (لاگ)
الکھ داس آکھے سن تاںہاں — ہم تم کھیلنہ دی گل بانہاں[1]

حضرت شیخ بہاء الدین برناوی، دوسرے بزرگ ہیں جن کی نظمیں دستیاب ہوتی ہیں۔ یہ بھی تصوف اور معرفت کے موضوع پر ہیں۔ پروفیسر حافظ محمود شیرانی اور مولوی عبدالحق دونوں نے ان کے کلام کے نمونے نقل کئے ہیں۔ لیکن ان میں مثنوی کی طرز کی کوئی چیز نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ اس زمانے کے اور بزرگوں کی طرح آپ نے بھی ہندی بحر اور زبان میں جیسا کہ اس زمانے کے دوسرے صوفیائے کرام کا دستور تھا، مثنوی کے قافیہ کی ترتیب میں کچھ نظمیں لکھی ہوں، لیکن فی الوقت ان کے نمونے ہماری

---

[1] پنجاب میں اردو صـ ۱۶۳

Scanned with CamScanner

دسترس میں نہیں ہیں۔

ایک اور بزرگ سید شاہ ہاشم حسینی علوی، ہیں جن کا سنہ وفات ۱۰۵۹ء ہے۔ آپ گجرات کے مشہور صوفی حضرت شاہ وجیہہ الدین گجراتی کے بھتیجے اور شاہ صاحب موصوف کے فرزند میاں شاہ عبداللہ کے مرید تھے۔ مثنوی کی صنف میں آپ کا کلام کافی موجود ہے۔ اور یہ سب سلوک و معرفت پر ہے۔ اگلی نظموں کے مقابلہ میں آپ کی نظمیں طویل تر ہیں۔ مولوی عبدالحق صاحب نے اپنے مضمون میں ایک نظم دی ہے جس میں شاہ صاحب کے اپنے مرشد کے فیضان کا ذکر کیا ہے۔

شیخ عثمان جو عہد جہانگیر کے ایک شاعر تھے "چترا ولی" نامی منظوم قصے کے مصنف ہیں۔ اس کی زبان اور اوزان بھی ہندی ہیں۔ ذیل میں اس کا یک اقتباس درج کیا جاتا ہے۔

جن پچھوں دس کنہ پیانا پھلہیں گا سو دیس ملتانا
دیکھے سی سنگھی لوگ سیائیں مہرادن سب سلوہیں سائیں
ہیرے سے ٹھٹہ نگر سوہاوا بیہن ہرن سیویں گنجاوا
کابل ہیرے موگل کرہ دیسا جہاں یوہم بتی ہوئی زیسا
دیکھے سی ردم سکندر کیرا سیام رہا ہوئی سکل اندھیرا
دیکھے سی مکہ دو ہی استھنا ہئی اندہ تیں پاہن جانا

حاجی سنگ مل گیو مدینہ — کا بہا گئے جو صاف نہ سینہ
گا بغداد بیرے کے تیرا — جیہی نیہچ تیہی سنگ ہمیرا
استنبول، مصر پونے ہیرا — گا لداخ لہو کنہو سی کھیرا
دکھن دیس کو جے بگہ دھارا — چلاتا کی سو سنگ پکھارا

مذکورہ بالا نظمیں اس میں شک نہیں کہ قدیم اردو میں اور اکثر ہندی کی بحروں میں ہیں۔ ان میں عربی فارسی کے الفاظ بھی کہیں کہیں آتے ہیں تاہم یہ آیندہ اردو مثنوی کا ہیولا ہیں۔ اردو زبان کے ارتقاء میں یہ چیز خاص طور پر نمایاں ہے کہ جوں جوں اس کی اشاعت زیادہ ہوتی گئی، یہ فارسی سے زیادہ سے زیادہ متاثر ہوتی گئی۔ کیوں کہ اس زمانہ میں ہندوستان کی ادبیات عالیہ کا ذریعہ یہی زبان تھی، اور عموماً ہندوستانی زبانوں کی شاعری اور انشاپردازی پر اس کا اثر پڑ رہا تھا۔ بعد کے زمانے میں گجرات اور خاص طور پر دکن میں اردو شاعری کو جو خاطر خواہ ترقی ہوئی اس کا بڑا سبب یہ تھا کہ یہاں کے شعرا نے اس کی ترقی میں فارسی سے استفادہ کیا جو شاعری میں بلند مقام رکھتی تھی۔ طویل نظموں کے لیے قافیہ کی ترتیب وہی قائم رہی لیکن بحریں زیادہ تر فارسی استعمال ہونے لگیں۔ اگر اردو زبان کو نشو و نما کے اس ابتدائی مرحلہ پر فارسی کا سہارا نہ ملتا تو یہ کہنا مشکل ہے کہ اس کو اس قدر جلد ترقی نصیب ہوتی۔ لیکن اردو شاعری کی تحریکات جب دہلی میں پہنچیں تو

Scanned with CamScanner

فارسی کا اثر اس پر دکن سے بھی زیادہ ہوگیا اور رفتہ رفتہ تلمیحات، استعارے اور تشبیہیں بھی فارسی ہی استعمال ہونے لگیں۔ اور تھوڑے عرصہ کے اندر اندر یہ زبان اس قدر ترقی کر گئی کہ خود اس کا ایک ممیز ڈھانچہ تیار ہوگیا اور ایک ادبی روپ نکھر آیا۔